علامہ اقبال اور حضرت بلالؓ

صدیق جاوید

(۱)

علامہ اقبال اپنی شاعری کے پہلے دور (۱۹۰۱ء — ۱۹۰۵ء) کے دوران جن شخصیات سے متاثر ہوئے اور علامہ نے ان میں سے جن کو اس دور کی نظموں میں ، براہِ راست خراجِ تحسین پیش کیا یا جن سے بالواسطہ اپنی عقیدت و محبت کا اظہار کیا ان میں مرزا غالب ، سرسید ، آرنلڈ ، حضرت بلالؓ داغ اور حضرت نظام الدین اولیاء شامل ہیں ۔ ''التجائے مسافر'' میں حضرت نظام الدین اولیاء سے اظہارِ عقیدت کے علاوہ اپنے والدین ، اُستاد ، میر حسن اور بڑے بھائی کا بڑی محبت اور احسان مندی سے ذکر کیا ہے ۔ متذکرہ چھ نظموں میں غالب ، سرسید کی لوحِ تربت ، اور بلالؓ کے سوا باقی تین نظمیں اقبال کے ذاتی اور جذباتی تعلق کے حوالے سے پہچانی جاتی ہیں ۔ غالب اور ''سرسید کی لوحِ تربت'' کے عنوان سے نظمیں اپنے خاص حوالوں کی بنا پر بہت اہم نظمیں ہیں مگر اس دور کی جس نظم کو اقبال کی روحانی ، جذباتی اور فکری اساس قرار دیا جا سکتا ہے ، وہ حضرت بلالؓ ہر ہے ۔ جو سب سے پہلے ستمبر ۱۹۰۴ء کے مخزن میں شائع ہوئی اور سولہ اشعار پر مشتمل تھی ۔ بانگِ درا کی اشاعت کے وقت اس میں سے تین شعر حذف کر دیے گئے ۔

راقم الحروف کے ناقص علم کے مطابق اُردو میں حضرت بلالؓ پر نظم لکھنے کی اولیت کا شرف علامہ اقبال ہی کو حاصل ہے ۔ دوسرا اُردو شاعر جس نے حضرت بلالؓ کے حوالے سے نظم کہی وہ مولانا شبلی ہیں ۔ انھوں نے ''مساواتِ اسلام'' کے عنوان سے حضرت بلالؓ کی زندگی کے ایک واقعہ کو نظم کیا ہے ۔ بہرحال اس نظم کا موضوع حضرت بلالؓ کی سیرت و کردار اُجاگر کرنا نہیں بلکہ ایک تاریخی مثال اور واقعہ سے

اسلام کے مدنی و معاشرتی اور اخلاقی نظام میں مساوات کی قدر نمایاں طور پر دکھانا مقصود ہے ۔ مولانا شبلی کی یہ نظم ان کی اُردو لظموں کے چوتھے دور سے تعلق رکھتی ہے ۔ بقول سید سلمان ندوی :

''یہ دور ۱۹۰۸ء سے شروع ہو کر ۱۹۱۴ء تک یعنی ان کی وفات تک قائم رہا'' ۔[1]

(۲)

یہاں فارسی کے تین جلیل القدر شعرا کے ہاں حضرت بلالؓ کے ذکر کا ضمناً بیان شاید علمی دلچسپی کا باعث ہو ۔ فرید الدین عطار نے منطق الطیر میں ''در نعت سید المرسلین و خاتم النبینؐ'' کے ذیل حضرت بلالؓ کے حوالے سے یہ دو شعر کہے ہیں :

در شدن گفتی ارحنا یا بلالؓ تا برون آیم ازیں ضیق خیال

- - - - - - - - - - - - - - - - - -

بازؔ در معراج شمع ذوالجلال مے شنود آواز نعلین بلال[2]

نیز عطار نے ''حکایت بلالؓ'' کے عنوان کے تحت مندرجہ ذیل سات شعر قلمبند کیے ہیں :

خورد ہر یک جائگہ روزے بلالؓ
بر تن باریک صد چوب و دوال
خون رواں شد زو ز چوب بیعدد
ہمچناں از دل احد مے گفت احد
گر شود در پائے خارے ناگہت
حبّ و بغض آنجا نماند در رہت
آنکہ او در دست خارے مبتلاست
زو تصرف در چنان قومے خطاست

۱۔ ''کلیات شبلی اُردو'' ، داتا پبلشرز ، لاہور ، ص ۳۱ ۔

۲۔ ''منطق الطیر'' شائع کردہ ایم فرمان علی بک سیلر پبلشر ، موہن لال روڈ ، لاہور ۔

چون چنان بودند ایشان تو چنیں
چند خواہی بود حیران تو چنیں
از زبان تو صحابہ خستہ اند
وز زبان بت‌پرستان رستہ اند
در فضولی مے کنی دیوان سیاہ
گوئے بردی گر زبان داری نگاہ[۳]

مولانا رومی نے مثنوی مولوی معنوی کے دفتر ششم میں حضرت بلالؓ کو ان کے کافر آقا کی ناقابلِ برداشت ایذا رسانی اور اس حالت میں بھی حضرت بلالؓ کی احد احد کی پکار اور رسول اکرمؐ سے والہانہ عشق کی کیفیات کو بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے۔[۴]

حضرت بلالؓ کا ذکر حافظ شیرازی کے مندرجہ ذیل مشہور شعر میں یوں آیا ہے:

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم
ز خاکِ مکہ ابوجہل ایں چہ بوالعجبی ست

(۳)

سید عابد علی عابد نے ''تلمیحاتِ اقبال'' میں حضرت بلالؓ کے سات سطری تعارف کے بعد لکھا ہے:

''ادبی روایت میں رسول پاک کے سلسلے میں جب بلالؓ کا نام آتا ہے تو عقیدت، شیفتگی اور محبت کی معراج ملحوظ ہوتی ہے۔ علامہ مرحوم کی نظم میں بھی یہی پہلو خاص طور پر پیشِ نظر ہے۔''[۵]

اقبال کے دورِ اول کے جائزہ‌نگاروں کی نظر سید عابد علی عابد کے

۳۔ منطق الطیر شائع کردہ ایم فرمان علی لاہور، ص ۳۷، ۳۸۔
۴۔ مثنوی مولوی معنوی دفتر ششم، ناشر حامد اینڈ کمپنی، لاہور، ص ۱۰۰ تا ۱۲۰۔
۵۔ تلمیحات اقبال، یکے از مطبوعاتِ بزم اقبال لاہور ۱۹۵۹ء، ص ۱۰۔

متذکرہ پہلو پر نہیں گئی ۔ اقبالیات کی تاریخ میں غالباً عزیز احمد پہلے اقبال شناس ہیں ۔ جنھوں نے اس پہلو پر توجہ دی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں :

''۔ ۔ ۔ حضرت بلالؓ کے متعلق جو نظم انھوں (اقبال) نے پہلے دور میں لکھی ہے ۔ اس میں عشقِ رسول کے اس گہرے جذبے کی جھلک ہے جو ان کی ذاتی وارداتوں میں شاید سب سے زیادہ پُر اثر ہے ۔''[۶]

سید نذیر نیازی مرحوم نے بھی اس نظم پر عشقِ رسولؐ کے حوالے سے تبصرہ کیا ہے ۔ ان کے نزدیک حضرت بلالؓ کے ساتھ اقبال نے اپنے آپ کو (Identify) کر لیا تھا ۔ وہ رقم طراز ہیں :

''۔ ۔ ۔ ۔ ۱۹۰۳ء میں اُنھوں نے بلالؓ کے عنوان سے ایک نظم لکھی جس میں کس لگن اور تڑپ سے کہا ہے :

ع تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی

کاش وہ خود بلالؓ ہوتے ، بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے ، صبح و شام دولت دیدار میسر آتی :

خوشا وہ دیس کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا[۷]

اقبال اور عشقِ رسول کے موضوع پر کتب اور مقالات کے مؤلفین اقبال کی نظم بلالؓ میں عشق رسولؐ کی والہانہ کیفیت کی خاطر خواہ تحسین نہیں کر سکے ۔ مثلاً سید محمد عبدالرشید فاضل ''اقبال اور عشقِ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وسلم) میں عشقِ رسولؐ کے باب میں اقبال پر مختلف اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''غرضیکہ والدین کی تربیت ، اُستاد کی تعلیم اور ماحول کے اثر نے اقبال کو اسلام اور پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا عاشق بنا دیا اور غالب ، حالی اور دوسرے شعرا کے نعتیہ کلام نے اس آگ کو اور تیز کر دیا مگر اُس وقت تک اُن کا عشق بھی اعتقادی تھا اور نعت گوئی کا انداز تقریباً دوسرے نعت گو شعرا جیسا ہی تھا ۔ مثلاً اپنی

۶۔ ''اقبال نئی تشکیل'' ، گلوب پبلشرز لاہور ، ص ۴۳ ۔
۷۔ ''دانائے راز'' ، شائع کردہ اقبال اکادمی ، لاہور ۱۹۷۹ء ، ص ۳۴۵ ۔

نظم ''بلالؓ'' میں لکھتے ہیں :

گری وہ برق تری جانِ لاشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسٰی پر
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارہ کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اُس کا[۸]

اپنی اسی کتاب میں فاضل صاحب نے بانگِ درا حصہ سوم ، ص ۲۷۲ پر اقبال کی ''بلالؓ'' ہی کے عنوان سے دوسری نظم کے مطالب بیان کرنے کے بعد نظم نقل کر دینے پر اکتفا کر لیا ہے ۔

معروف اقبال شناس محمد طاہر فاروقی مرحوم نے ''اقبال اور محبتِ رسولؐ'' کے نام سے اقبال صدی کے موقع پر کتاب تصنیف کی ۔ ان کا انداز بھی یہی ہے ۔ انھوں نے بانگِ درا حصہ اول اور حصہ سوم کی بلالؓ پر دونوں نظموں کا ملخص بیان کرتے ہوئے مکمل نظمیں درج کر دی ہیں ۔

(۴)

سوال یہ ہے کہ کیا حضرت بلالؓ پر یہ نظمیں ، اور خصوصاً پہلی نظم ، اقبال کے کسی عارضی یا روایتی تاثر کا نتیجہ ہے ؟ خود نظم میں موجود جوش ، جذبہ ، تڑپ اور حسرت کی کیفیات اور وجد آفریں اسلوب کے اندر اس سوال کا جواب نفی میں موجود ہے ۔ کلام اقبال اور مکاتیبِ اقبال میں حضرت بلالؓ سے متعلق دوسرے حوالوں (جن کا اس مضمون کے پانچویں حصے میں جائزہ لیا جا رہا ہے) کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت بلالؓ کا اقبال کی روحانی ، جذباتی اور فکری شخصیت پر گہرا اثر تھا ۔

ڈاکٹر یوسف حسین خان نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''تخلیقی محرک

۸۔ ''اقبال اور عشقِ رسالت مآبؐ'' ، ناشر : تنویرات علم و ادب کراچی ، ص ۱۹ ، ۲۰ ۔

اس قدر متنوع ہوتے ہیں کہ ان کا نفسیاتی تجزیہ ممکن نہیں ۔''[۹]

یہ رائے بڑی روقیع ہے ۔ اس کی روشنی میں ہم جب نظم بلالؓ کے تخلیقی محرک کا سراغ لگاتے ہیں تو بلا تامل اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اقبال کی رسولِ کریمؐ سے عقیدت ، محبت اور عشق اس نظم کا اولیں محرک ہے اور اقبال کی جگہ اگر کوئی دوسرا شاعر ہوتا تو شاید بات اس سے آگے نہ بڑھتی مگر اقبال کے فکری ارتقا کے مطالعہ میں عشق رسولؐ کے علاوہ اس نظم کے ایک سے زیادہ سیاق و سباق موجود ہیں ۔ عزیز احمد اقبال کی وطن پرستی کے رجحان میں تبدیلی کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب کے دوسرے باب ''اسلامی شاعری کا دور'' میں لکھتے ہیں : '' ۔ ۔ ۔ ۔ جو تبدیلی ہوئی وہ یہ نہیں تھی کہ اقبال نے قومی شاعری کی جگہ اسلام کی شاعری کو اپنا خاص موضوع بنایا ۔ اسلام کی شاعری تو اُن کے کلام میں پہلے (اس کی ایک مثال کے طور پر بلالؓ کے متعلق نظم کا حوالہ دے چکے ہیں)* بھی شامل تھی ۔ اصلی تبدیلی یہ ہے کہ انھوں نے سیاست کو وطن سے علیحدہ کر کے مذہبی تمدن سے منسلک کر دیا ۔ یہ تبدیلی بڑی اہم تھی ۔ ۔ ۔ ۔''[۱۰]

اسی طرح ڈاکٹر عبدالحمید مرحوم نے اس نظم کو جذباتی سطح اور واقعاتی حیثیت سے الگ کر کے دیکھا ہے ۔ وہ اپنی تصنیف ''اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان'' میں لکھتے ہیں :

''ان تمام (یعنی قوم پرستی ، وطنیت وغیرہ) باتوں کے باوجود ۱۹۰۵ء سے پہلے کے اقبال کی روحانی تشکیل میں اسلامی عنصر بدرجہا زیادہ غالب ہے ، اس بات پر ضرور اظہارِ افسوس کرتے ہیں کہ برہمن نے ''اپنوں سے بیر رکھنا'' بتوں سے سیکھا ہے اور اگر اہل وطن نے آئندہ کی فکر نہ کی تو ان کی بربادی یقینی ہے لیکن وہ ہندوستانی قومیت کی بجائے اسلام کی مستقل قومیت کے کہیں زیادہ قائل ہیں ۔ ''سرسید کی لوحِ تربت'' کے عنوان سے جو نظم لکھی گئی ، اس میں واضح طور پر اس

۹۔ ''روحِ اقبال'' ، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ دہلی طبع چہارم ۱۹۵۷ء ، ص ۱۲۲ ۔

۱۰۔ ''اقبال نئی تشکیل'' ، ص ۴۳ ۔ * اس حوالہ کے لیے بھی ''اقبال نئی تشکیل'' ، ص ۴۳ ہی دیکھیے ۔

بات کا ذکر ہے کہ تعلیم دین کے ساتھ ترکِ دلیا لازم نہیں ۔ اگر فرقہ بندی کو ہوا دی گئی تو ایک ہنگامہ محشر برپا ہوگا ۔ قوت فرماں روا کے سامنے بے باکی سے کام لینا ''بندۂ مرمن'' کا شیوہ ہے ۔ کیونکہ اس کا دل بیم و ریا سے پاک ہوتا ہے ۔ ''تصویرِ درد'' میں ملے جلے تصورات ہیں ۔ ہندی قومیت اور مسلم قومیت دونوں کے ۔ ۔ ۔ ۔

ان مباحث کو اقبال نے بار بار اپنی بعد کی تصانیف میں اُٹھایا ہے اور کم و بیش ہر جگہ نہایت اچھوتا اور لطیف پیرایۂ زبان اختیار کیا ہے ۔ اس حصہ میں حضرت بلالؓ پر جو نظم ملتی ہے ان کے اسلامی احساس میں (جو بعد میں قوی سے قوی تر ہوتا چلا گیا تھا) ڈوبی ہوئی ہے ۔ فرماتے ہیں :

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری''[۱۱]

(۵)

پچھلے صفحات میں اقبال شناسوں کی آرا کی روشنی میں اقبال کی نظم بلالؓ کا عشقِ رسول کے حوالے سے اور حبِ وطن یا وطن پرستی کے دور میں اسلامی احساس پائے جانے کے سیاق و سباق میں جائزہ لیا جا چکا ہے ۔ ہمارے نزدیک اس نظم کا ایک اور اہم سیاق و سباق بھی ہے ۔ اس پر گفتگو کرنے سے پیشتر ضروری معلوم ہوتا ہے کہ مختلف ادوار میں کلامِ اقبال اور مکاتیب اقبال میں حضرت بلالؓ کے تذکرہ پر مبنی ایک خاکہ یہاں پیش کر دیا جائے ۔ شاید اس سے ہمارے نقطۂ نظر کو سمجھنے میں مدد مل سکے ۔

تاریخِ اسلام کے دور اول کا یوں تو ہر باب کسی نہ کسی اعتبار سے درخشاں اور تابناک ہے مگر حضرت بلالؓ کی زندگی کے ولولہ انگیز واقعات ایمانی جوش و جذبہ کو بہت متاثر کرتے ہیں ۔ خصوصاً حضرت بلالؓ

---

۱۱ ۔ ''اقبال بحیثیت مفکر پاکستان'' شائع کردہ اقبال اکادمی لاہور ، ص ۶۴ ، ۶۵ ۔

کا عرب کی تپتی ہوئی ریت پر لٹایا جانا اور ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھا جانا اور اس حالت میں بھی ان کی احد احد کی پکار ، ایک عاشقانہ اور والہانہ کیفیت کی مظہر ہے ۔ یہ واقعہ اثر اور دل گدازی کا ایسا جادو رکھتا ہے کہ جو بھی ایک بار اس واقعہ کو پڑھتا یا سنتا ہے ، اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتا ۔ اقبال ہمیشہ سے انقلاب آفریں اور مثالی افراد اور شخصیات کا تصور رکھتے تھے ۔ شاید اقبال بچپن سے حضرت بلالؓ کی کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہوں مگر ان کے تاثر کا پبلک اظہار ۱۹۰۴ء میں ہوا جب اُنھوں نے مخزن میں حضرت بلالؓ کے عنوان سے یہ نظم لکھی :

چمک اُٹھا جو ستارہ ترے مقدر کا
حبش سے تجھ کو اُٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی
تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے
کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے
جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں
نظر تھی صورتِ سلماںؓ ادا شناس تری
شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری
تجھے نظارے کا مثلِ کلیمؑ سودا تھا
اویسؓ طاقتِ دیدار کو ترستا تھا
مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا
تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید
خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید
گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰؑ پر
تپش ز شعلہ گرفتند و بر دلِ تو زدند
چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصلِ تو زدند

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری
اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اس کے نظارے کا اک بہانہ بنی
خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!
خوشا وہ دور کہ دیدار عام تھا اس کا!

اقبال پر جب رسولِ اکرم کی محبت غالب آتی ہے تو عشقِ رسولؐ کی اس کیفیت میں حضرت بلالؓ سے نسبت موجود ہوتی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے عازم انگلستان ہوئے۔ بحری سفر کے دوران جہاز سے مولوی انشا اللہ خان ایڈیٹر ''اخبار وطن'' لاہور کے نام ۱۲ ستمبر ۱۹۰۵ء کو عدن سے ایک طویل خط کے آخر میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔۔ اب ساحل قریب آتا جاتا ہے اور چند گھنٹوں میں ہمارا جہاز عدن جا پہنچے گا۔ ساحلِ عرب کے تصور نے جو ذوق و شوق اس وقت دل میں پیدا کر دیا ہے، اس کی داستان کیا عرض کروں بس دل یہی چاہتا ہے کہ زیارت سے اپنی آنکھوں کو منور کروں۔۔۔۔ اے عرب کی مقدس سرزمین!۔۔۔۔ کاش میرے بدکردار جسم کی خاک تیرے ریت کے ذروں میں مل کر تیرے بیابانوں میں اڑتی پھرے اور یہی آوارگی میری زندگی کے تاریک دنوں کا کفارہ ہو! کاش میں تیرے صحراؤں میں لٹ جاؤں اور دنیا کے تمام سامانوں سے آزاد ہوکر تیری تیز دھوپ میں جلتا ہوا اور پاؤں کے آبلوں کی پروا نہ کرتا ہوا، اس پاک سرزمین میں جا پہنچوں جہاں کی گلیوں میں اذان بلالؓ کی عاشقانہ آواز گونجتی تھی۔''[۱۲]

انجمن حمایت اسلام کے جلسہ منعقدہ اپریل ۱۹۱۱ء میں اقبال نے مشہور نظم شکوہ پڑھی تھی اور اس کے بیشتر بندوں میں استفسار کا انداز ہے۔ اس نظم کے اکیسویں بند میں بھی یہی انداز ہے۔ اس بند کے آخری شعر میں حضرت بلالؓ کا ذکر تاریخی سیاق و سباق میں کیا ہے یعنی حوصلہ شکن حالات میں بھی مسلمانوں کی دین کے معاملے میں استقامت کا

۱۲۔ ''مطالعہ اقبال''، مرتبہ گوہر نوشاہی بزمِ اقبال لاہور، جون ۱۹۷۱ء، ص ۳۸۲، ۳۸۳۔

اظہار کیا ہے ۔ اس بند میں بھی پہلی نظم کی طرح حضرت بلالؓ کے ساتھ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت اویس قرنیؓ کا ذکر ہے ۔ شاعر خدا سے سوال کرتا ہے :

تجھ کو چھوڑا کہ رسولِ عربی کو چھوڑا ؟
بت گری پیشہ کیا ؟ بت شکنی کو چھوڑا ؟
عشق کو ، عشق کی آشفتہ سری کو چھوڑا ؟
رسمِ سلمانؓ و اویس قرنیؓ کو چھوڑا ؟
آگ تکبیر کی سینوں میں دبی رکھتے ہیں
زندگی مثلِ بلالِ حبشیؓ رکھتے ہیں

علامہ اقبال نے اپنی مشہور نظم ''جوابِ شکوہ'' ۱۹۱۳ء میں بیرون موچی دروازہ کے ایک جلسہ عام میں پڑھی تھی ۔ اس کے سولھویں بند میں روح بلالی کی ترکیب تلمیح کے ساتھ صدقِ دلی اور جوش و جذبۂ ایمانی کی علامت بن جاتی ہے ۔ یہاں محولہ بند ملاحظہ فرمائیے :

واعظِ قوم کی وہ پختہ خیالی نہ رہی
برق طبعی نہ رہی ، شعلہ مقالی نہ رہی
رہ گئی رسمِ اذاں ، روحِ بلالی نہ رہی
فلسفہ رہ گیا ، تلقینِ غزالی نہ رہی
مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

جوابِ شکوہ ہی کے پینتیسویں بند میں براعظم افریقہ کے مسلمانوں کی ایمانی حرارت اور رسول اللہؐ سے عشق کی کیفیت بیان کی گئی ہے اور براعظم افریقہ کی پُرجوش اور جاں نثار مسلم آبادی کو بلالی دنیا قرار دیا گیا ہے ۔ یہ بند ملاحظہ فرمائیے :

مردمِ چشمِ زمیں ، یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمہارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیٔ مہر کی پروردہ ، بلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اس نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح

اسرارِ خودی کا آخری باب 'دعا' کے عنوان سے ہے اقبال خدا کے حضور دعا کرتے ہوئے چھٹے شعر میں لکھتے ہیں :

از تہی دستان رخِ زیبا مپوش عشقِ سلمان و بلال ارزاں فروش

اقبال ، بلالؓ پر اپنی پہلی نظم لکھنے کے تقریباً تیرہ سال بعد خان محمد نیاز الدین خان کے نام ۲ مارچ ۱۹۱۷ء کو اپنے ایک مکتوب میں اس نظم کا آخری شعر دہرانے سے پہلے لکھتے ہیں :

"میں لاہور کے ہجوم میں رہتا ہوں مگر زندگی تنہائی کی بسر کرتا ہوں ۔ مشاغل ضروری سے فارغ ہوا تو قرآن یا عالم تخیل میں قرونِ اولیٰ کی سیر ۔ مگر خیال کیجیے جس زمانے کا تخیل اس قدر حسین و جمیل و روح افزا ہے ، وہ زمانہ خود کیسا ہوگا :

خوشا وہ عہد کہ یثرب مقام تھا اس کا
خوشا وہ روز کہ دیدار عام تھا اس کا[۱۳]

مثنوی کا دوسرا حصہ جس کا نام "رموزِ بیخودی" ہوگا ۔ انشاءاللہ اس سال کے ختم ہونے سے پیشتر ختم ہو جائے گا ۔"[۱۴]

علامہ اقبال ، خان محمد نیاز الدین خان کے استفسار کے جواب میں ۲۱ مارچ ۱۹۱۷ء کے مکتوب میں لکھتے ہیں :

"۔ ۔ ۔ جو شعر میں نے کسی پہلے خط میں لکھا تھا وہ ایک نظم ، جو کئی سال ہوئے میں نے عشقِ بلال پر لکھی تھی ، آخری شعر ہے ۔ باقی اشعار ذہن میں محفوظ نہیں رہے مخزن کے پرانے نمبر اگر آپ کے پاس ہیں تو ان میں مل جائے گی ، میں بھی تلاش کروں گا ۔ مل گئی تو حاضر

۱۳- "بانگِ درا" میں "وہ عہد" اور "وہ روز" کی بجائے "وہ وقت" اور "وہ دور" کے الفاظ ہیں ۔ دیکھیے بانگِ درا ، ص ۹۷ ۔ مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء میں "وہ وقت" اور "وہ روز" کے الفاظ ملتے ہیں ۔ زیرِ نظر مضمون کا حوالہ نمبر ۶ بھی ملاحظہ کیجیے ۔ "باقیاتِ اقبال" ، بار سوم ۱۹۷۸ء میں اس فرق یا تغیر کی صراحت موجود نہیں ۔

۱۴- "مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم" ، بزمِ اقبال لاہور ، ص ۷ ۔

خدمت کروں گا۔"[۱۵]

رموزِ بے خودی میں "حکایت ابو عبید و جابان در معنیٔ اخوتِ اسلامیہ" کے عنوان کے تحت اشعار میں ایک جگہ حضرت ابو عبیدہ فرماتے ہیں :

گفت اے یاراں مسلمانیم ما تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما
نعرۂ حیدر نوائے بوذر است گرچہ از حلقِ بلال و قنبر است

بالِ درا حصہ سوم کی آخری چوتھائی نظموں میں بلالؓ ہی کے عنوان سے ایک دوسری نظم صفحہ نمبر ۲۷۲ پر درج ہے۔ اس نظم کے اشعار حضرت بلالؓ کے سلسلے کے غالباً آخری شعر ہیں ، ملاحظہ کیجیے :

لکھا ہے ایک مغربیٔ حق شناس نے
اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جولانگہِ سکندرِ رومی تھا ایشیا
گردوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا
تاریخ کہہ رہی ہے کہ رومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورس و دارا نے خام تھا
دنیا کے اس شہنشہِ انجم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا
آج ایشیا میں اس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ دان بھی اسے پہچانتا نہیں
لیکن بلالؓ ، وہ حبشی زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلالؓ
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و فقیر !

۱۵- "مکاتیبِ اقبال بنام خان محمد نیاز الدین خان مرحوم" ، بزمِ اقبال لاہور ، ص ۸ -

ہوتا ہے جس سے اسود و احمر میں اختلاط
کرتی ہے جو غریب کو ہم پہلوئے امیر!
ہے تازہ آج تک وہ نوائے جگر گداز
صدیوں سے سن رہا ہے جسے گوشِ چرخ پیر
اقبال کس کے عشق کا یہ فیض عام ہے؟
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے!

(٦)

کلامِ اقبال اور مکاتیبِ اقبال میں محولہ بالا اذکار بلالؓ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کے نہایت اہم فکری دور یعنی اسرارِ خودی اور رموزِ بے خودی کی تصنیف تک حضرت بلالؓ کی شخصیت ان کے شعور اور تحت الشعور میں موجود رہی، علاوہ ازیں ۱۹۲۴ء کے زمانہ مابعد تک علامہ اقبال کی مجالس میں حضرت بلالؓ کے تذکرہ کا حوالہ ملتا ہے۔[١٦] بلکہ ہر تصنیف میں جہاں کہیں عشق اور خصوصاً عشقِ رسولؐ کا ذکر ہوا ہے وہاں حضرت بلالؓ کی ذات سایہ فگن محسوس ہوتی ہے۔ مثلاً اسرارِ خودی کے باب "در بیان اینکہ خودی از عشق و محبت استحکام می پذیرد" کے بیشتر اشعار اور خصوصاً درجِ ذیل شعر دیکھئے:

خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر است
اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر است

اس شعر سے بانگِ درا حصہ اول میں نظم بلالؓ کے آخری شعر کی کیسی بازگشت سنائی دے رہی ہے۔ اگر اس نظم کا واقعاتی حجاب اُٹھا کر اس کی معنوی گہرائی کا مطالعہ کیا جائے تو اسے فکرِ اقبال کی بنیاد کی خشتِ اول قرار دیا جا سکتا ہے۔

اقبال کے ۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۵ء تک کے برسوں کو فلسفیانہ جستجو کا زمانہ کہا جاتا ہے اور یہ باور کرایا جاتا ہے کہ ان کے نظریۂ حیات کا کوئی پہلو بھی تکمیل کے مرحلہ تک نہیں پہنچا تھا۔ خلیفہ عبدالحکیم

١٦۔ "سیرت بلالؓ" از ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی، کتاب خانہ: نورس کبیر سٹریٹ لاہور ۱۹۶۲ء، ص ۳۔

لکھتے ہیں :

"۔۔۔۔ شاعر ابھی کسی پختہ یقین پر نہیں پہنچا ابھی راز حیات کو ٹٹولتا ہوا دکھائی دیتا ہے ابھی تک یقین و گمان کی آویزش سے نہیں نکلا ۔۔۔۔"[۱۷]

اس نوع کی رائے کو مسلمہ صداقت کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے ۔ اس رائے کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے اگر یہ مفروضہ قائم کیا جائے کہ اقبال کا کل شعری سرمایہ بانگِ درا حصہ اول کی منظومات پر مشتمل ہے اور اسی سرمائے کے پیشِ نظر اقبال کے تصورات کا جائزہ مرتب کرنا ہے تو کیا نتیجہ نکلے گا ؟ بہرحال دوسرے خیالات سے قطع نظر جہاں تک تصورِ عشق کا تعلق ہے ، اس دور میں بھی چند ایسی نظمیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اقبال نے عشق کی حقیقت پر غور کرنے کے بعد عشق کی ماہیئت سمجھ لی تھی ؛ مثلاً "دردِ عشق" میں عشق سے خطاب کرتے ہوئے شاعر کہتا ہے :

غافل ہے تجھ سے حیرتِ علم آفریدہ دیکھ !
جویا نہیں تری نگہِ نا رسیدہ دیکھ
رہنے دے جستجو میں خیالِ بلند کو
حیرت میں چھوڑ دیدۂ حکمت پسند کو

اسی طرح دوسری نظموں "عقل و دل" میں دل کی فوقیت اور برتری ثابت کی گئی ہے نظم "دل" میں "خودی اور عشق کے مضامین دلکش انداز میں بیان کیے ہیں ۔"[۱۸] "عشق اور موت" میں عشق کی لافانی خصوصیت اُجاگر کی گئی ہے ۔ جب ان نظموں سے نظم بلالؓ کو مربوط کر کے دیکھا جائے گا تو لامحالہ یہی نتیجہ نکلے گا کہ یہ پہلی نظم ہے جس نے اقبال کے تصورِ عشق کی تکمیل کر دی گویا اقبال نے حضرت بلالؓ کے حوالے سے عشق کی وہ قدر دریافت کر لی تھی جس نے ان کے فکری نظام کی ترتیب و تشکیل میں بنیادی کردار ادا کیا ۔ یقیناً اقبال کو حضرت بلالؓ تکمیلِ ذات کا ایک نمونہ نظر آئے اور اُنھوں نے سیرتِ بلال

۱۷- "اقبال" ، ص ۶۰ ۔
۱۸- "فکرِ اقبال" ، ص ۳۴ ۔

میں خودی اور عشق کا جوہر دیکھا ۔ یہاں سیرتِ بلالؓ کی روشنی میں خودی اور عشق یا خودی اور عشق کی روشنی میں حضرت بلالؓ کی زندگی کا جائزہ ایک توسیعی مطالعہ کا متقاضی ہے ۔ تاہم شاید صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ خودی کا جوہر عشق ہے ۔ اقبال کے ہاں عشق کا نقطۂ کمال یہی ہے کہ یہ تکمیلِ ذات کا باعث بنتا ہے اور اس سے دوام حاصل ہوتا ہے :

ع عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

اور عشق کی انتہا جناب رسالت مآب کا عشق ہے اور حضرت بلالؓ اس سے بدرجہ اتم بہرہ ور تھے ۔

(English Publications)

1. **A Message from the East (Versified Translation of Payam-i-Mashriq)**
   M. Hadi Hussain — **Rs 33/-**
2. **What should then be done O People of the East (Pas Chih Bayed Kard)**
   B. A. Dar — **Rs 26/-**
3. **Speeches, Writings and Statements of Iqbal**
   Latif Ahmed Sherwani — **Rs 36/-**
4. **The Place of God, Man and Universe in the Philosophic System of Iqbal**
   Dr Jamila Khatoon — **Rs 25/-**
5. **Letters of Iqbal**
   B. A. Dar — **Rs 30/-**
6. **The Sword and the Sceptre**
   Dr Riffat Hassan — **Rs 40/-**
7. **Glimpses of Iqbal**
   S. A. Vahid — **Rs 20/-**
8. **Introduction to the Thought of Iqbal trans. from French**
   M. A. M. Dar — **Rs 4/-**
9. **A Voice from the East**
   Zulfiqar Ali Khan — **Rs 6/-**
10. **Letters and Writings of Iqbal**
    B. A. Dar — **Rs 14/-**
11. **The World of Iqbal**
    Dr. M. Moizuddin — **Rs 15/-**
12. **Tribute to Iqbal**
    Dr. M. Moizuddin — **Rs 13/-**
13. **Selected Letters of Sirhindi**
    Dr. Fazlur Rehman — **Rs 45/-**

جلد ۱ — نمبر ۱

رباعی

سو تدبیر کی ہے قوم نے اک تدبیر — چشم اغیار میں تھی ہیچ ہے جسکی توقیر
در مطلب ہے اخوت کے صدف میں پنہاں — ہلکے نہ دنیا میں سوشل حرف کشمیر

رسالہ مجلس کشمیری مسلمانان لاہور

بابت ماہ محرم و صفر ۱۳۱۴ ہجری

باہتمام میاں سراج الدین صاحب منیجر رسالہ ہذا

در مطبع گلزار محمدی لاہور میں چھپ کر مجلس کی طرف سے شائع ہوا

تعداد جلد ۷۰۰